حضرت عثمان ہارونی بنگال کے راستے دیارِ عرب جانا چاہتے تھے یا اسی علاقہ میں آکر سکونت اختیار کرلی ہو۔ بنگال کی راہ سے واپسی کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ چنگیز خاں کی یورش کی وجہ سے خراسان کا راستہ بند ہوچکا تھا۔ ہندوستان اور مشرقِ وسطیٰ کا بحری رابطہ چاٹگام کی بندرگاہ سے زیادہ آسان اور محفوظ تھا۔ چنگیز خاں کی فوجیں ہندوستان پر حملہ کرنے کے بہانے ڈھونڈ رہی تھیں۔ یہاں پر یہ بھی ذہن نشین کرلینا چاہیے کہ چنگیز خاں کا خراسان پر تسلط بھی انھیں ایام میں ہوا تھا جو خواجہ عثمان ہارونی کے دہلی تشریف آوری کا زمانہ ہے۔ بخارا۔ سمرقند۔ نیشاپور اور خراسان کے دوسرے شہروں کی تباہی کے بعد وہاں سے علما و صوفیا، بغداد۔ قونیہ اور ہندوستان کو ہجرت کر گئے۔ خواجہ ہارونی بھی اسی چنگیزی یورش کے نتیجہ میں دہلی تشریف لائے ہوں گے۔ چونکہ خراسان کی راہ سے مشرقِ وسطیٰ اور ارضِ مقدس کا راستہ مخدوش بلکہ ایک عرصہ تک بند ہوچکا تھا اس لیے حج یا کسی ارادہ سے اس طرف جانے کے لیے خواجہ ہارونی نے بنگال کا رخ کیا۔ راستے میں وصال ہوگیا یا سلہٹ کے مقام پر کچھ عرصہ قیام فرمایا ہو اور بعد میں عقیدت مندوں نے مزار بنا ڈالا۔ یہاں پر یہ سوال بھی پیدا ہوسکتا ہے کہ کہیں یہ درگاہ عثمان یا ہارونی کا لقب رکھنے والے کسی دوسرے شخص کی تو نہیں؟ اور اگر واقعی حضرت عثمان ہارونی سے اس کا تعلق ہے تو مزار ہے یا چلّہ؟ تصوف اور صوفیائے کرام سے دلچسپی رکھنے والے اسکالروں کو اس طرف توجہ دینی چاہیے اور اس سلسلہ میں تحقیقات کے بعد فیصلہ کن رائے قائم کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ یہ درگاہ ایک عظیم الشان ہستی سے منسوب ہے۔

اسی طرح چاٹگام میں حضرت فرید گنج شکر سے منسوب دو آثار ہیں۔ شہر سے چند میل پر پہاڑ کے دامن میں ایک چشمہ ہے۔ اور پہاڑ کی چوٹی پر ایک جگہ آپ کی عبادت گاہ کہی جاتی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ سیاحت کرتے ہوئے باباصاحب چاٹگام کی طرف بھی آنکلے۔ اس چشمہ کے پانی سے آپ وضو کرتے اور پہاڑ پر جاکر عبادتِ الٰہی میں مشغول ہوجاتے۔ مگر آٹھویں صدی کے پہلے ربع تک بنگال میں چشتیہ سلسلہ کا کوئی اثر قائم نہ ہوسکا۔ اس کے پڑوسی صوبہ بہار میں البتہ بہت ہو

کے ساتھ ساتھ چشتیہ کے مشائخ بھی سرگرم نظر آتے ہیں۔ اس لیے پہلے بہار کے چشتی بزرگوں کا جائزہ لینا مناسب رہے گا۔ اس کے بعد بنگال کا ذکر کیا جائے گا۔

چشتیہ بہار میں

بہار میں چشتیہ سلسلہ کے کئی افراد خواجہ بزرگ کے زمانہ ہی میں پہنچ گئے تھے مگر یہ لوگ فوجی مہموں کے ساتھ آئے تھے۔ تبلیغی مشن پر مشائخ کی آمد بعد میں شروع ہوئی اور اس سلسلہ میں سب سے پہلا نام شیخ محمد بہاری کا آتا ہے۔ آپ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے خلیفہ تھے۔ بہار شریف میں آپ کی خانقاہ تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز تھی۔ بہت با اثر بزرگ تھے۔ امرا و حکام کی طرف سے خانقاہ کے اخراجات کے لیے وظائف و نذرانے کے علاوہ بہت بڑی جاگیر بھی عطا کی گئی تھی۔ شیخ محمد بہاری کے عہد کی دوسری مشہور شخصیت حضرت آدم صوفی کی گزری ہے۔ حضرت آدم صوفی نے دربھنگہ کے مضافات میں نرسنگھ پور کے مقام پر اشاعت اسلام کے حیرت انگیز کارنامے انجام دیے تھے۔ آپ وہاں سادھو کے بھیس میں پہنچے۔ اور جان کو خطرہ میں ڈال کر ظالم راجہ کے خلاف صدائے حق بلند کی۔ حضرت آدم صوفی کا مزار پٹنہ شہر کے قریب موضع جیوٹھلی میں پکی درگاہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس سے چند سو گز کے فاصلے پر مخدوم الملک کے نانا قاضی شہاب الدین سہروردی عرف پیر جگجوت خلیفہ و مرید خواجہ شہاب [illegible] سہروردی کا روضہ ہے اور کچی درگاہ کہلاتا ہے۔ پیر جگجوت کی منجھلی صاحبزادی کی شادی حضرت آدم صوفی کے صاحبزادے مخدوم حمید الدین صوفی سے ہوئی تھی۔ بہار میں چشتیہ سلسلہ کے بزرگوں کا سب سے بڑا مرکز شہر بہار شریف تھا۔ جو اقطاع بہار کا صدر مقام بھی تھا۔ حاکم نشین شہر ہونے کی وجہ سے علم و تصوف کا بھی چرچا تھا، اور علما و صوفیا کی کثیر تعداد رہتی تھی۔ بڑی بڑی خانقاہیں قائم تھیں مگر سب سے زیادہ اثر چشتیہ سلسلہ کا تھا۔ آج بھی شہر کا ایک بڑا علاقہ چشتیانہ کہلاتا ہے۔ اس علاقے میں چشتیہ سلسلہ کے لوگوں کے کثرت سے مزارات ہیں۔ مزارات کی کثرت کا یہ عالم ہے کہ ہر گھر کے اندر یا اس کے باہر ایک دو پرانے مزارات یا اس کے آثار ضرور نظر آئیں گے۔

چشتیانہ کے علاقہ میں اس وقت کئی محلے آباد ہیں اور کئی سرکاری وغیر سرکاری عمارتیں تعمیر ہو گئی ہیں۔ اسی مقام پر کاغذی محلہ میں حضرت مخدوم احمد سیستانی کی درگاہ ہے۔ آپ کا دور آٹھویں صدی ہجری کے پہلے نصف حصے پر محیط ہے۔ مخدوم الملک نے آپ سے تعلیم بھی حاصل کی تھی اور وہ برابر آپ کے روضہ پر جاکر مراقبہ میں مشغول رہا کرتے تھے۔ مخدوم الملک کے قبل کے تمام بزرگان شہر (بہار شریف) سب سے زیادہ شہرت آپ ہی کو نصیب ہوئی۔ آپ حضرت نصیر الدین چراغ دہلی کے ہم عصر تھے۔ اس زمانہ میں سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیا کے خلفا، مریدین اور معتقدین کی ایک بڑی تعداد بہار شریف میں موجود تھے۔ مقطع بہار نظام مولا اور دوسرے افسران بھی اسی گروہ سے تعلق رکھتے تھے۔ انہیں لوگوں نے مخدوم الملک کو راجگیر کے جنگل سے بے حد اصرار کے بعد شہر لایا اور ان کی خانقاہ وغیرہ[1] تعمیر کرائی۔ مخدوم احمد سیستانی کے بعد حضرت مخدوم حمید الدین صوفی خلف حضرت آدم صوفی اور ان کے صاحبزادے حضرت یتیم اللہ سعید باز متوفی ۷۰۹ھ بھی چشتیہ سلسلہ کے مشہور بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں۔ حضرت پیر شاہ عطاء اللہ بغدادی بھی اس سلسلہ کے بڑے با اثر شیخ گزرے ہیں۔ نویں صدی ہجری کے چشتی مشائخ میں حضرت فرید طویلہ بخش۔ شیخ سعادت اور حضرت داؤد قریشی نے کافی شہرت حاصل کی۔ خاص کر حضرت فرید طویلہ بخش اور ان کا خاندان عرصہ تک عوام میں مقبول رہا۔ حضرت فرید اور شیخ سعادت، شیخ نور قطب عالم پنڈوی کے خلفا تھے۔ دونوں کے مزارات محلہ چاندپورہ میں ہیں۔ حضرت داؤد قریشی[2]۔ حضرت شیخ راجو قتال بخاری کے خلیفہ تھے۔ صوبہ کے دوسرے مقامات پر بھی چشتیوں کا بہت اثر تھا۔

۱۔ وسیلہ شرف ص ۱۶، ۱۷۔ از شاہ فرزند علی صوفی منیری طبع ثانی جانگام، بحوالہ مناقب الاصفیا تصنیف مخدوم شاہ شعیب متوفی ۸۰۰ ہجری، مخدوم الملک کے چچا زاد بھائی تھے۔

۲۔ مضمون مولانا شاہ حسین میاں پھلواری مطبوعہ ماہنامہ نظام المشائخ دہلی، ذیقعدہ ۱۳۲۸ھ

حضرت عثمان اخی سراج

بنگال میں چشتیہ خانوادہ کو فروغ دینے کا سہرا حضرت عثمان اخی سراج کے سر ہے۔ وہ حضرت نظام الدین اولیا کے خلیفہ تھے۔ مرشد کے وصال کے بعد بنگال پہنچے[1]۔ اور گوڑ کو مرکز بناکر تبلیغ شروع کی۔ اس وقت وہاں شیخ علاؤالحق کا بہت اثر تھا۔ جو سہروردیہ سلسلہ کے شیخ تھے۔ بڑے جاہ وجلال والے بزرگ تھے۔ آپ کے بھائی۔ بڑے لڑکے اور دوسرے اعزہ وزارت اور دوسرے معزز عہدوں پر فائز تھے۔ شیخ علاؤالحق کا طرز رہائش بہت اعلیٰ تھا۔ حضرت عثمان اخی سراج گوڑ پہنچے تو شیخ علاؤالحق کی مخالفت کا سخت سامنا کرنا پڑا۔ لیکن اس وقت بنگال کے حالات اصلاح طلب تھے۔ معاشرہ میں مختلف برائیوں نے جڑ پکڑ لی تھی۔ حضرت عثمان معاشرتی برائیوں کی اصلاح کا عزم لے کر پہنچے تھے۔ انھوں نے بغیر خوف ومروّت صدائے حق بلند کی۔ وہ پیادہ پا شہروں اور دیہاتوں میں جاکر تبلیغ کرتے اور لوگوں کو ان کی کمزوریوں سے مطلع کرکے راہِ راست اختیار کرنے کی ہدایت کرتے۔ حضرت عثمان کا رہن سہن سادہ اور درویشوں جیسا تھا۔ تبلیغ کا انداز موثر اور وقت کے تقاضے کے مطابق تھا۔ کثیر تعداد میں غیر مسلموں نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ بگڑے ہوئے امراء وحکام نے بھی اصلاح کی۔ زمانہ ساز علماء و صوفیا کے لیے حضرت اخی سراج کی نصیحت وتلقین ایک تازیانہ تھی۔ لیکن عوام آپ کے گرویدہ ہوتے چلے گئے۔ آپ کا بڑھتا ہوا اثر شیخ علاؤالحق کے لیے کھلا چیلنج تھا۔ ابتدا میں دونوں کے درمیان اسی طرح کی کشمکش رہی جیسی مولانا روم اور خواجہ شمس تبریزی کے درمیان تھی۔ رفتہ رفتہ شیخ علاؤالحق بھی حضرت عثمان سے متاثر ہونے لگے۔ دل سے کدورت دور ہو گئی۔ توبہ کی اور چشتیہ سلسلہ کی اجازت وخلافت حاصل کرکے آپ کے ساتھ کام کرنے لگے۔ شیخ علاؤالحق کی معاونت حاصل ہو جانے سے حضرت عثمان کو اپنے مشن میں بہت کامیابی نصیب ہوئی۔ آپ کا

1۔ اخبار الاخیار، ص ۱۹۸ تا ۲۰۰

طریقہ تبلیغ بالکل شیخ جلالی تبریزی سے مشابہ تھا۔ اس وقت بنگال سیاسی اعتبار سے تین آزاد و خود مختار مسلم سلاطین کے زیر اقتدار تھا۔ مغربی بنگال میں علاء الدین علی شاہ کی حکومت تھی۔ شمالی بنگال اور شمالی بہار پر اس کے رضاعی بھائی حاجی شمس الدین الیاسی کی حکمرانی تھی اور مشرقی بنگال میں سلطان فخر الدین مبارک شاہ کی فرماں روائی تھی۔ یہ بنگال کا پہلا آزاد و خود مختار سلطان تھا۔ باقی مقامی راجاؤں پر انھیں سلاطین کی بالادستی قائم تھی۔ تینوں حکمران صوفیائے کرام کی قدردانی میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر تھے۔ تبلیغی کاموں میں حکومت کی طرف سے ممکن سہولتیں مہیا کی جاتی تھیں۔ حضرت عثمان اخی سراج کے زمانہ میں ایک بزرگ شیخ راجا بیابانی[1] تھے۔ مورخ بنگالہ غلام حسین سلیم نے "ریاض السلاطین" میں لکھا ہے کہ جب شہنشاہ فیروز تغلق حاجی الیاس کی سرکوبی کے لیے گوڑ پہنچا تو وہ شہنشاہ کے مقابلہ کی طاقت نہ دیکھ کر گوڑ کے قلعہ میں محصور ہوگیا۔ شاہی فوج قلعہ کا سختی سے محاصرہ کیے ہوئے تھی۔ اسی زمانہ میں شیخ راجا بیابانی کا جو قلعہ کے باہر رہتے تھے وصال ہوگیا۔ سلطان حاجی الیاس شیخ کا بڑا معتقد تھا۔ جان کو خطرہ میں ڈال کر فقیرانہ لباس میں قلعہ سے نکلا اور نماز جنازہ میں شریک ہوا۔ پھر قلعہ میں واپس چلا گیا۔ فیروز تغلق کو بعد میں اس واقعہ کی خبر ملی۔ اس دور کے ایک دوسرے باثر بزرگ مولانا عطا تھے۔ حضرت عثمان اخی سراج، شیخ راجا بیابانی، اور مولانا عطا تینوں کا وصال چند سال کے وقفے کے بعد علی الترتیب ۱۳۵۷ء، ۱۳۵۴ء، اور ۱۳۵۵ء میں ہوا۔ سلہٹ کے حضرت شاہ جلالی بھی اسی دور میں تھے۔ پیر بدر عالم زاہدی نے بھی مشرقی بنگال میں اپنا مشن شروع کردیا تھا۔ بہار میں مخدوم الملک شیخ شرف الدین بہاری کا فیض جاری ہوچکا تھا۔ مخدوم اشرف سمنانی کا آخری دور تھا۔ دہلی میں خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی مرجع خلائق تھے۔

۱۔ ریاض السلاطین، ص ۹۷ (فارسی) از غلام حسین سلیم متوطن مالدہ مغربی بنگال

شیخ علاوالحق

شیخ علاؤالدین علاوالحق بنگال کے مشائخ کبار میں گزرے ہیں۔ شیخ اسد لاہوری کے فرزند تھے۔ آپ کا خاندان غیاث الدین تغلق شاہ دہلی کی فوج کشی کے دوران بنگال پہنچا اور یہیں کا ہو رہا۔ شیخ کے اعزہ حکومت میں اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے۔ تصوف سے خاندانی لگاؤ تھا۔ مولانا سلیمان تھوی سے سہروردیہ خانوادہ[۱] میں بیعت ہوئے۔ بہت جلد بنگال کے علما و صوفیا میں ممتاز حیثیت کے مالک ہو گئے۔ حضرت مخدوم احمد چرم پوش تیغ برہنہ متوفی ۷۷۶ھ[۲] (بہار شریف) اور حضرت مخدوم سید حسین دھکڑ پوش (پورنیہ) جیسے صوفیائے بہار آپ سے بیعت تھے۔ حضرت علاوالحق کا شجرہ بیعت شیخ الشیوخ[۲] تک اس طرح پہنچتا ہے (۱) شیخ علاوالحق (۲) مولانا سلیمان تھوی (۳) مولانا تقی الدین عربی ثم تھوی (۴) شیخ احمد دمشقی (۵) شیخ الشیوخ خواجہ شہاب الدین سہروردی۔ حضرت عثمان اخی سراج سے خلافت پانے کے بعد آپ نے چشتیہ میں بیعت لینی شروع کی۔ آپ کے صاحبزادے شیخ نور قطب عالم اور مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی اسی سلسلہ میں بیعت ہوئے۔ مشہور ہے کہ شیخ علاوالحق کا رہن سہن بہت اعلیٰ تھا۔ خانقاہ اور لنگر خانے کے اخراجات ظاہری معاشی حیثیت سے بہت زیادہ تھے۔ بعض امراء شیخ کی مقبولیت سے حسد کرتے تھے۔ انھوں نے خانقاہ اور لنگر خانے کے اخراجات کے سلسلہ میں طرح طرح سے سلطان سکندر شاہ کے کان بھرنا شروع کیے۔ ایک الزام یہ بھی لگایا کہ شیخ کے بڑے لڑکے جو اعلیٰ سرکاری عہدے پر تھے یہ اخراجات پورے کرتے ہیں۔ سلطان کا رخ مخالف دیکھ کر آپ کو گوڑ سے ہجرت کر کے سنار گاؤں میں پناہ لینی پڑی[۳]۔ سونار گاؤں

۱۔ وسیلہ شرف ص ۴۳ (تصنیف شاہ فرزند علی صوفی منیری طبع ثانی جاٹگام)

۲۔ یہ شجرہ مخدوم احمد چرم پوش کے سلسلہ کے سجادگان کے ہاں بہار میں جاری ہے۔

۳۔ اخبار الاخیار، ص ۱۳۳

ڈھاکہ کے نزدیک ہے۔ یہ مشرقی بنگال کا صدر مقام تھا۔ شیخ علاؤالحق کوئی دو سال تک سنار گاؤں میں رہے۔ وہاں بھی آپ کی رہائش کا وہی معیار رہا۔ خانقاہ اور لنگر خانے کے اخراجات میں مطلق کمی نہ ہوئی۔ آپ کے مریدوں کی تعداد اتنی کثیر تھی کہ وہ لوگ آسانی سے یہ اخراجات پورے کرتے تھے۔ آخر عمر میں آپ پنڈوہ چلے گئے اور وہیں اہل وعیال کے ساتھ قیام فرمایا۔ آپ نے کافی عمر پاکر ۸۰۰ھ میں وصال فرمایا۔ مخدوم سید جلال بخاری جہانیاں جہاں گشت نے نماز جنازہ پڑھائی۔ حضرت جہانیاں جہاں گشت سیاحت کرتے ہوئے اس وقت پنڈوہ پہنچے ہوئے تھے۔

شیخ نور قطب عالم

شیخ علاؤالحق کے بعد آپ کے صاحبزادہ شیخ نور قطب عالم اور مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی سے پورے مشرقی ہندوستان میں چشتیہ سلسلہ نے فروغ پایا۔ حضرت نو قطب عالم نے اپنے والد سے بھی زیادہ شہرت حاصل کی۔ آپ کا سب سے بڑا کارنامہ راجہ کنس پر فوج کشی کے لیے جون پور سے حکمران سلطان ابراہیم شاہ شرقی کو بنگال آنے کی دعوت دینا اور راجہ کنس کے لڑکے جیتومل کو مسلمان کرنا ہے۔ واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ الیاس شاہی خاندان کے حکمران سلطان شہاب الدین بایزید شاہ کو معطل کر کے بھتوریا کے راجہ کنس نے ملک کا پورا اقتدار سنبھال لیا اور جبر وتشدد کے ساتھ حکومت کرنے لگا۔ علماء ومشائخ کو بھرے دربار میں راجہ کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا جاتا۔ خلاف ورزی کرنے پر متعدد مشائخ شہید کر دیے گئے۔ شہداء میں شیخ نو قطب عالم کے چھوٹے لڑکے شیخ انور، ایک بزرگ شیخ بدر الاسلام، اور مخدوم سید حسین دھکڑ پوش کے دو صاحبزادگان بھی شامل تھے۔ مسلمانوں کے ساتھ راجہ کا سلوک انتہائی ظالمانہ تھا۔

۱۔ سوشل ہسٹری آف دی مسلمز ان بنگال از ڈاکٹر عبدالکریم ڈھاکہ ص ۱۰۴، ۱۰۵

راجہ کے بڑھتے ہوئے مظالم سے تنگ آکر شیخ قطب عالم نے ابراہیم شاہ شرقی[1] کو راجہ کے خلاف جہاد کی ترغیب دلائی۔ ابراہیم شاہ بڑا دیندار بادشاہ تھا۔ خاص کر صوفیائے کرام کا گرویدہ رہتا تھا۔ شیخ نور قطب عالم کی ہدایت پر مخدوم سید اشرف جہانگیر نے بھی سلطان شرقی سے درخواست کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابراہیم شاہ فوج لے کر آ پہنچا۔ راجہ کنس نے مقابلہ کی طاقت نہ دیکھ کر صلح کی درخواست کی، اور شیخ قطب عالم کے قدموں پر جا گرا۔ شیخ کے بیچ بچاؤ سے یہ طے پایا کہ راجہ کنس اپنے نومسلم لڑکے جتو کے حق میں حکومت سے دست بردار ہو جائے، اور ابراہیم شاہ واپس چلا جائے۔ لیکن راجہ کنس اس معاہدہ پر زیادہ دنوں تک عمل نہ کر سکا۔ ابراہیم شاہ کے واپس جاتے ہی جتیو کو الگ کر کے پھر حکومت کی باگ ڈور خود سنبھال لی اور پہلے سے زیادہ مظالم ڈھانے لگا۔ اس اثنا میں شیخ نور قطب عالم بھی وصال فرما چکے تھے۔ مسلمانوں کے لیے بڑی کس مپرسی کا عالم تھا۔ مراۃ الکونین کی روایت کے مطابق پیر بدر عالم زاہدی کے خلف اکبر شیخ شہاب الدین پیر قتال زاہدی[2] نے راجہ کے خلاف جہاد کا فتویٰ صادر کر دیا گیا۔ راجہ کے محل پر دھاوا بول دیا گیا۔ راجہ مارا گیا، اور جتیو جلال الدین شاہ کے نام سے تخت پر بیٹھا۔ یہ بڑا عادل، نیک اور دیندار حکمران تھا۔ علما و صوفیائے کرام کی خوب سرپرستی کی۔ بزرگوں کے مزارات و مقبرے تعمیر کرائے۔ اس کے دور میں اسلام کی اشاعت بھی خوب ہوئی۔ شیخ علاء الحق اور شیخ نور قطب عالم دونوں باپ بیٹے بہت با اثر مشائخ تھے۔ ان کے خلفا و مریدین، بکثرت تھے جنھوں نے بنگال، بہار، اور مشرقی یو۔پی میں سلسلہ چشتیہ نظامیہ کو پھیلایا۔

۱۔ ریاض السلاطین ص ۱۱۲

۲۔ رسالہ بنگال پاسٹ اینڈ پریزنٹ (کلکتہ) بابت ۱۹۴۸ء ص ۳۲

۳۔ مراۃ الکونین در ذکر پیر بدر عالم زاہدی

اور سید اشرف جہانگیر کا فیض ہندوستان کے مختلف مقامات پر پھیلا۔ حضرت نور قطب عالم کے خلفا میں حضرت مخدوم فرید طویلہ بخش سے بہار کے علاقے فیض یاب ہوئے۔ حضرت حسام الدینؒ مانکپوری کا اثر اودھ کے علاقہ میں بہت تھا۔ بنگال میں حضرت نور قطب عالم کے پوتے شیخ زاہد بھی بہت مشہور اور با اثر تھے۔ اور زمانہ دراز تک یہ خاندان اہل بنگال کی رشد و ہدایت کرتا رہا۔ پنڈوہ میں شیخ علاء الحق، شیخ نور قطب عالم اور شیخ زاہد کی درگاہ فقراء و مساکین سے لے کر امراء و سلاطین تک سبھوں کے لیے سر چشمہ فیوض و برکات بنی رہی۔ علائی خانوادہ کے بزرگوں نے دین کی تبلیغ اور معاشرہ کی اصلاح میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔ پندرھویں صدی عیسوی میں بنگال میں چشتیہ سلسلہ کا بہت زور تھا۔ مولانا شاہ قطب الدینؒ[۲] حقانی کے تذکرہ سے صوفیائے بنگالہ کی سرگرمیوں پر کافی روشنی پڑتی ہے مولانا حقانی پندرھویں صدی عیسوی کے بزرگ تھے۔ گوڑ میں قیام تھا۔ وہیں انھیں تین سو سے زائد علماء و مشائخ کے اجتماع میں حقانی کا لقب دیا گیا تھا۔ ان کا شجرۂ بیعت چند واسطوں سے شیخ نور قطب عالم تک پہنچتا ہے۔

جلال دکنی

پندرھویں صدی عیسوی میں شیخ جلال دکنیؒ[۳] بنگال تشریف لائے اور ڈھاکہ میں قیام فرمایا۔ شیخ جلال دکنی کو شیخ پیارہ سے اور شیخ پیارہ کو گلبرگہ کے شیخ سید ید اللہ سے خلافت حاصل تھی شیخ ید اللہ سید محمد گیسو دراز کے پوتے اور خلیفہ تھے۔ شیخ جلال کا اثر و رسوخ اس قدر بڑھا کہ بڑے

۱۔ اخبار الاخیار ص ۲۹۶

۲۔ بنگال میں صوفیائے کرام مضمون مطبوعہ روزنامہ پاسبان ڈھاکہ بابت شمارہ ۲۰ر اکتوبر ۱۹۶۳ء

۳۔ اخبار الاخیار ص ۳۸۶ - ۳۸۷ (اردو ترجمہ لطیف فریدی مطبوعہ لاہور) اخبار الاخیار میں جلال دکنی کی بجائے جلال گجراتی لکھا ہوا ہے۔ اسودگان ڈھاکہ از حکیم حبیب الرحمٰن مرحوم ڈھاکہ ص ۳۲

بڑے امراء حسد کرنے لگے۔ مشہور ہے کہ وہ اپنے مریدوں پر شرعی امور میں کڑی نظر رکھتے تھے کوئی کام خلاف شرع دیکھتے تو حد جاری کرتے۔ اس کے باوجود لوگ آپ کے گرد جمع رہتے تھے۔ مولانا عبدالحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ آپ بنگال میں تخت پر بیٹھ کر حد جاری کرتے تھے۔ حکام و امراء نے ڈھاکہ کے گورنر کو جو اس وقت چوک کے قلعہ میں رہتا تھا آپ کے خلاف ورغلانا شروع کیا۔ الزام یہ لگایا گیا کہ شیخ جلال دعوائے سلطنت کرنے والے ہیں۔ آخر ایک روز گورنر کا فوجی دستہ پہنچ ہی گیا۔ آپ اور آپ کے مریدوں پر یورش بول دی گئی۔ جب تک مریدان قتل ہوتے رہے آپ یا قہار، یا قہار کہتے رہے جب آپ پر تلوار اٹھائی گئی تو یا رحمان! یا رحمان فرماتے ہوئے شہادت پائی۔ یہ واقعہ ۱۸۸۱ھ کا ہے۔ آپ کا مزار ڈھاکہ گورنر ہاؤس کے احاطہ کے اندر ہے۔ مزار کے گنبد پر صرف کلمہ طیبہ کندہ ہے۔ اس وقت بنگال کا سلطان شمس الدین شاہ تھا وہ گوڑ میں رہتا تھا۔ ڈھاکہ میں اس کی نیابت ایک گورنر کرتا تھا۔ غرض کہ چشتیہ سلسلہ کا بنگال اور بہار میں بہت اثر رہا۔ یہاں سے دوسرے مقامات کو بھی فیض پہنچا۔ اس سلسلہ کے صوفیائے کرام کا طریقۂ تبلیغ بڑا موثر اور وقت کے مطابق ہوتا تھا۔ انھیں عوام کی نفسیات، اور معاشرہ کے حالات کو پرکھنے اور عوام میں گھل مل جانے کا طریقہ بخوبی معلوم تھا۔ قول و عمل ہم آہنگی اور توازن تھا۔ اس وجہ سے عوام ان کی طرف گرویدہ ہو جاتے۔ ایثار و خودداری ان کا شعار تھا۔ انھیں دولت و امارت کی حرص تھی اور نہ امراء و سلاطین کے جبر و تشدد کا خوف۔ عوام اور مقامی باشندوں میں مقبولیت حاصل کرنے کے لیے مقامی زبانوں میں تبلیغ کرتے۔ حضرت نور قطب عالم کے بہت سے اشعار ایسے ملتے ہیں جن میں بنگلہ کے الفاظ و محاورات کی آمیزش ہے۔

مقامی زبانوں اور عوامی بولیوں میں تبلیغ کے جو فائدے حاصل ہوتے وہ فارسی یا اعلیٰ درجہ کی علمی و ادبی زبان میں ممکن نہ تھے۔ تبلیغی کاموں کی تربیت کے مراکز خانقاہیں ہوتی تھیں۔ وہیں کے تربیت یافتہ مشائخ دور دراز علاقوں میں پہنچ کر کام شروع کر دیتے اور جہاں قیام کرتے وہاں کی آبادی کو اپنا گرویدہ بنا لیتے اور اپنے مشن میں پوری کامیابی حاصل کرتے۔

عصمت انبیاء

(۲)

لفظ "نبی" کے عرفی معنی

۶۔ شرح مواقف میں ہے:

(واما) مسماہ (فی العرف فھو عند اھل الحق) من الاشاعرۃ وغیرھم الملیین (من قال لہ اللہ) تعالیٰ ممن اصطفاہ من عبادہ (ارسلنٰک الی قوم کذا او الی الناس جمیعا او بلغھم عنی ونحوہ من الالفاظ) المفیدۃ لھذا المعنی کبعثتک ونبئھم۔

(شرح مواقف ج ۸ ص ۲۱۷ طبع مصر)

حق پرست علمار اشاعرہ وغیرہم اہل ملت کے نزدیک عرف شرع میں لفظ نبی کا مسمّٰی وہ مقدس شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے ایسا برگزیدہ ہو جسے اللہ تعالیٰ فرمائے کہ میں نے تجھے اپنا پیغامبر بنا کر فلاں قوم یا تمام لوگوں کی طرف بھیجا یا میری طرف سے تو انھیں میرے احکام پہنچا دے اور اس طرح کے الفاظ جن کا مفاد یہی معنی ہوں۔ جیسے بعثتک (میں نے تجھے مبعوث کیا) اور نبئھم (میری طرف سے میرے بندوں کو خبر پہنچا دے)۔

۷۔ شفاء قاضی عیاض میں نبوت شرعیہ کی تفسیر ان الفاظ میں فرمائی:

النبوۃ التی ھی الاطلاع علی الغیب

وہ نبوت جو اطلاع علی الغیب ہے۔

(شفاء شریف ص ۲۰۷)

۸۔ بعینہ یہی عبارت مواہب لدنیہ میں علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ارقام فرمائی ہے۔

دیکھیے مواہب لدنیہ جلد ا ص ۲۸۱

موضوع کلام کا جزو ثانی

موضوع کلام کے جزو اول کے بعد جز ثانی کی طرف آیئے اور لفظ "عصمت" کے معنی پر غور کیجیے۔

عصمت کی تعریف

۱۔ مشہور کتاب تعریف الاشیاء میں علامہ میر سید شریف جرجانی فرماتے ہیں:

(العصمة) ملكة اجتناب المعاصي مع التمكن منها۔ (تعریف الاشیاء ص ۶۵ طبع مصر)	گناہ کر سکنے کے باوجود گناہوں سے بچنے کا ملکہ عصمت ہے۔

۲۔ یہی عبارت اقرب الموارد میں ہے۔ ملاحظہ ہو اقرب الموارد جلد ۲ ص ۹۱ طبع مصر

۳۔ مفردات میں ہے:

وعصمة الانبياء حفظه اياهم اولاً بما خصهم به من صفاء الجوهر ثم بما اولاهم من الفضائل الجسمية والنفسية ثم بالنصرة وتثبيت اقدامهم ثم بانزال السكينة عليهم وبحفظ قلوبهم وبالتوفيق (مفردات امام راغب اصفہانی ص ۳۴۱ طبع مصر)	"عصمۃ انبیاء" کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کا اپنے نبیوں کو (ہر قسم کی برائی سے) محفوظ رکھنا۔ اولاً اس صفاء جوہر کی وجہ سے جو انہی کے ساتھ خاص ہے پھر ان کے فضائل جسمیہ اور نفسیہ کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمائے۔ پھر اپنی نصرت خاص اور انہیں ثابت قدم رکھنے کے ساتھ پھر ان پر سکون و طمانیت نازل فرما کر اور ان کے قلوب کو کج روی سے بچا کر اور اپنی توفیق ان کے شامل حال فرما کر۔

۴۔ یہی مضمون دستور العلماء میں ہے۔ دیکھیے دستور العلماء جلد ۲، ص ۳۲۵

۵۔ نبراس میں ہے:

العصمۃ ملکۃ نفسانیۃ یخلقھا اللہ سبحانہ فی العبد فتکون سبباً لعدم خلق الذنب فیہ۔ (نبراس ص ۵۳۲)

عصمت وہ ملکہ نفسانیہ ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ بندے (نبی) میں پیدا کرتا ہے جو اس میں گناہ پیدا نہ ہونے کا سبب بن جاتا ہے۔

۶۔ شرح عقائد نسفی میں ہے:

وحقیقۃ العصمۃ ان لا یخلق اللہ فی عبد الذنب مع بقاء قدرتہ و اختیارہ

(شرح عقائد نسفی ص ۷۳)

عصمت کی حقیقت یہ ہے کہ بندے کی قدرت اور اختیار کے باقی رہنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کا اس بندہ میں گناہ پیدا نہ کرنا۔

۷۔ اسی شرح عقائد میں بقول بعض علماء عصمت کی تعریف اس طرح بھی منقول ہے:

ھی لطف من اللہ تعالیٰ یحملہ علی فعل الخیر ویزجرہ عن الشر مع بقاء الاختیار تحقیقاً للابتلاء

(شرح عقائد ص ۷۴)

عصمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ایسا لطف ہے جو اللہ تعالیٰ کے مقدس بندہ (نبی) کو فعل خیر پر برانگیختہ کرتا اور اسے شر سے بچاتا ہے مع البقاء اختیار کے تاکہ ابتلاء کے معنی برقرار رہیں۔

۸۔ مجمع بحار الانوار میں ہے:

والعصمۃ من اللہ دفع الشر

(جلد ۲ ص ۳۹۳)

"عصمۃ من اللہ" دفع شر ہے۔

۹۔ مسامرہ میں ہے:

(والعصمۃ) المشترطۃ معناھا (تخصیص القدرۃ بالطاعۃ فلا یخلق لہ) ای لمن وصف بھا (قدرۃ المعصیۃ)

(مسامرہ جلد ۲ ص ۸۱)

عصمۃ مشترطہ کے معنی ہیں قدرت کا طاعت کے ساتھ خاص کر دینا۔ پس جو شخص اس عصمۃ کے ساتھ موصوف کیا جاتا ہے اس کے لیے معصیت کی قدرت پیدا نہیں کی جاتی۔

نبوت و عصمت کے متعلق ہم نے اکابر علمائے امت کے اقوال نقل کرکے ان کا

خلاصہ ترجمہ ہدیۂ ناظرین کر دیا ہے۔ اور تفصیلی ابحاث کو صرف اختصار کلام کے لحاظ سے نظر انداز کر دیا۔ اجزائے موضوع کی تشریح کے بعد ضرورت نبوت پر بھی کلام کرنا ضروری ہے تاکہ منکرین نبوت کے شکوک و شبہات کا ازالہ ہو جائے۔ اس کے بعد حکمت بعثت پر بھی غور کرنا ہے تاکہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ذوات قدسیہ کے ساتھ عصمت کا تعلق اچھی طرح واضح ہو سکے۔

ضرورت نبوت

اس میں شک نہیں کہ انسان میں جسمانیت، حیوانیت اور ملکیت سب کچھ موجود ہے جسم کے متعلقات و مناسبات جسمانیت کے لیے ضروری ہیں جیسے زمان و مکان، تشکل و تناہی، ہیئت و مقدار وغیرہ۔ اور حیوانیت کے لوازمات و ملحقات حیوانیت کے لیے لازم ہیں جیسے کھانا، پینا اور اس کے متعلقات۔ علیٰ ہذا القیاس ملکیت کے مصححات و متعلقات کا ملکیت کے لیے ہونا ضروری ہے جیسے تسبیح و تحمید۔ لیکن جس طرح جسمانیت و حیوانیت و ملکیت تینوں انسان کے اردگرد گھومتی ہیں اسی طرح ان کے جملہ ضروریات و مناسبات بھی ضروریات و مناسبات انسانیہ کے آس پاس گردش کرتے ہیں بلکہ یوں کہیے کہ انسان کل کائنات کے حقائق لطیفہ کا مجموعہ ہے اور سب مخلوقات انسان کی خادم اور انسان سب کا مخدوم ہے۔ لہٰذا کل مخلوقات کی ضروریات انسان کی ضروریات کی خادم اور انسانی ضروریات سب کی مخدوم ہیں۔ گویا کل کائنات کی ضروریات، ضروریاتِ انسانیہ کے محور پر گھوم رہی ہیں۔ دنیائے انسانیت کا یہ عظیم الشان دامن نبوت سے وابستہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جن افراد انسانی کا رابطہ بارگاہِ نبوت سے قائم نہیں ہوا وہ حیوانیت اور بہیمیت کے گڑھوں میں جا گرے۔

ضرورتِ نبوت پر پہلی دلیل

مقصد تخلیق کے حصول کا موقوف علیہ ہمیشہ ضروری ہوا کرتا ہے۔ انسان معرفتِ الٰہیہ

کے لیے پیدا کیا گیا ہے اور خدا کی معرفت کا حاصل ہونا نبوت و رسالت کے بغیر ممکن نہیں۔ اس لیے نبوت و رسالت کا وجود انسان کے لیے ضروری ہے۔ منکرین نبوت کا یہ کہنا علم و عقل کی روشنی میں قطعاً باطل ہے کہ جب انسان کے پاس حواس اور عقل دونوں موجود ہیں تو اسے نبوت و رسالت کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں عرض کروں گا خدا کی معرفت حاصل کرنے کے لیے نہ حواس کافی ہیں نہ عقل! جن لوگوں نے خدا کی معرفت کے لیے حواس کو کافی سمجھا وہ محسوسات اور مظاہر کائنات کی پرستش میں مبتلا ہوگئے۔ اور جنھوں نے عقل پر اعتماد کیا ان میں اکثر لوگ خدا کے منکر ہوگئے۔ اور جو صریح انکار کی جرأت نہ کرسکے انھوں نے ذات و صفات کے مسائل میں ایسی ٹھوکریں کھائیں کہ معرفت کی راہوں سے بہت دور جا پڑے اور عقل نا تمام کی وادیوں میں بھٹک کر ظنون و اوہام کے گڑھوں میں جا گرے۔ قرآن کریم نے ایسے ہی لوگوں کے حق میں ارشاد فرمایا ان یتبعون الا الظن وان ھم الا یخرصون۔ رہا یہ امر کہ خدا ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو اس کی معرفت ضروری ہے یا نہیں۔ تو یہ ایک علیحدہ مستقل موضوع ہے جس پر ہم کسی دوسرے مقام پر مفصل گفتگو کر چکے ہیں۔ یہاں صرف اتنا عرض کر دینا کافی ہے کہ مصنوع کا وجود صانع کے وجود کی دلیل ہے۔ اور مصنوع کی تخلیق کسی حکمت و مقصد کے بغیر نہیں ہوتی۔ اور کسی مصنوع کی حکمت تخلیق کا فوت ہو جانا اس مخلوق کے عبث ہونے کو مستلزم ہے۔ انسان کے اوصاف و خواص اس امر کی دلیل ہیں کہ وہ اپنے خالق کا مظہر ہے۔ اب اگر وہ اس حقیقت کو پہچاننے کی صلاحیت رکھنے کے باوجود بھی نہ پہچانے تو اس نے خود اپنے وجود کو عبث قرار دے دیا۔ اور اگر پہچانے تو چونکہ وہ ذات باری تعالیٰ کا مظہر ہے لہذا اپنے آپ کو صحیح معنی میں پہچاننا دراصل اپنے خالق کو پہچاننا ہے۔ جیسا کہ مشہور ہے: من عرف نفسہ فقد عرف ربہ۔ لہذا ثابت ہوگیا کہ معرفت خداوندی کے بغیر انسان کا وجود عبث ہے، اور اگر انسان چاہتا ہے کہ میرا وجود عبث نہ ہو تو معرفت

الٰہیہ کے بغیر اس کے لیے کوئی چارۂ کار نہیں۔

ضرورت نبوّت پر دوسری دلیل

قانون فطرت یہ ہے کہ ہر نوع کے مدرکات کو معلوم کرنے کے لیے اسی نوع کا ادراک عطا کیا گیا ہے۔ مثلاً مبصرات کو جاننے کے لیے ادراک بصری اور مسموعات کے لیے ادراک سمعی۔ علیٰ ہذا القیاس پانچوں حواس کو لیجیے۔ ہر نوع محسوس کے لیے اسی نوع کا حاسہ ہمارے اندر پایا جاتا ہے۔ اس کے بعد معقولات کا وجود ہے۔ جنھیں معلوم کرنے کے لیے عقل عطا فرمائی گئی۔ ادراک انسانی کی تگ و دو حواس و عقل سے آگے نہ تھی۔ مگر اس کی ضروریات کا تعلق ان دونوں سے آگے تھا جسے عالم غیب کہا جاتا ہے۔ جب تک اس عالم تک کسی کی رسائی نہ ہو اس مقام کے ساتھ متعلقہ انسانی ضرورتیں پوری نہیں ہو سکتیں۔ نبوت جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں اطلاع علی الغیب ہی کا نام ہے۔ لہٰذا انسانی ضرورتوں کے پورا ہونے کے لیے نبوت کا ہونا ضروری ہے۔

ضرورت نبوّت پر تیسری دلیل

حاسہ سبب ادراک ہے اور اس سے غلطی بھی واقع ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اس کے ازالہ کے لیے عقل کا اس پر حاکم ہونا ضروری تھا۔ مگر جب عقل بھی ٹھوکر کھائے تو اس کا ازالہ نہ عقل کر سکتی ہے نہ حواس۔ کیونکہ حواس عقل کے محکوم ہیں اور عقل بحیثیت عقل ہونے کے مساوی ہے۔ لہٰذا ضروری ہوا کہ عقل پر ایسی چیز کو حاکم تسلیم کیا جائے جو غلطی سے پاک ہو اور وہ نبوّت ہے کیونکہ نبوّت ہی غلطی سے مبرّا ہے۔ لہٰذا اختلاف عقل کی مضرتوں سے بچنے کے لیے "نبوّت" کو ماننا ضروری ہوا۔ نبوت کا غلطی سے پاک ہونا ہی عصمت نبوّت کا مفہوم ہے۔ معلوم ہوا کہ "عصمت" لوازم نبوت سے ہے۔ اس مقام پر زلّات انبیاء علیہم السلام سے وہم پیدا کرنا درست نہیں۔ انشاء اللہ یہ مفصل بحث ہم آگے چل کر ہدیۂ ناظرین کریں گے۔

استدراک

شاید اس بیان کی روشنی میں ضرورت نبوت سے کے ساتھ اجرائے نبوت کا شبہ پیدا کر لیا جائے۔ اس لیے گذارش ہے کہ ضرورت نبوت سے اجرائے نبوت ہرگز لازم نہیں آتا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے مطابق خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت مبعوث فرمایا جب کہ نوع انسانی اپنی حیات کے منازل طے کرتی ہوئی ایسے مرحلہ پر پہنچ گئی تھی کہ اس کے لیے جو نظام مقرر کیا جائے قیامت تک اس کی تمام ضروریات کے لیے وہی قابل عمل ہو۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دیناً۔ میں نے آج تمہارے لیے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی۔ اور میں نے تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کر لیا۔

یہ ارشاد خداوندی منکرین ختم نبوت کے اس شبہ کا قلع قمع کرنے کے لیے کافی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نبوت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کے دامن سے ایسا دین وابستہ ہے جو قیامت تک پیش آمدہ ضروریات کے پورا ہونے کا واحد ذریعہ ہے۔ نبوت و رسالت محمدیہ ہی بنی نوع انسان کے ہر فرد کے لیے ضروری ہے۔ اس کے بعد کسی کو نبوت دیا جانا متصور نہیں۔ ضرورت نبوت کے لیے اجرائے نبوت کو لازم سمجھنا اکمال دین کے منافی ہے۔

ضرورت نبوت کے بعد حکمت بعثت پر بھی غور کرتے چلے جائیں تاکہ عصمت و نبوت کا باہمی تعلق اور زیادہ واضح ہو جائے۔

قرآن کریم میں بعثت انبیاء علیہم السلام کی حکمتیں بکثرت آیات میں بیان کی گئی ہیں جن میں بعض حسب ذیل ہیں:

۱۔ وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ ۔ پارہ ۵ سورۃ نساء

۲۔ وما نرسل المرسلین الا مبشرین ومنذرین ۔ پارہ ۷ سورۃ انعام

۳۔ ومن یطع اللہ ورسولہ فقد فاز فوزاً عظیماً ۔ پارہ ۲۲ سورۃ احزاب

۴۔ ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ ۔ پارہ ۵ سورۃ نساء

۵۔ لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولاً من انفسھم یتلو علیھم ایاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین

(پارہ ۴، سورۃ آل عمران)

"ضرورت نبوۃ" کے ضمن میں جن امور کو ہم نے بیان کیا ہے ۔ یہ آیات مبارکہ روز روشن کی طرح ان کی تائید کرتی ہیں اور انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت سے متعلق حسب ذیل حکمتوں کی نشاندہی کرتی ہیں :

۱۔ اللہ تعالیٰ کے بندوں سے اللہ کی اطاعت کرانا ۔

۲۔ عالم غیب سے متعلق آخرت کی نعمتوں کی خوشخبری دینا اور عذاب الٰہی سے ڈرانا ۔

۳۔ اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کا نجاتِ اخروی اور سعادت ابدی کے لیے شرط ہونا ۔

۴۔ اطاعت رسول کا اطاعت خداوندی ہونا تاکہ بندوں کے لیے اطاعت الٰہی کی راہ متعین ہو جائے ۔

۵۔ آیاتِ الٰہیہ کو تلاوت کرنا ۔

۶۔ ایمان والوں کا ظاہر و باطن پاک کرنا ۔

۷۔ کتاب الٰہی اور حکمت و دانائی کی تعلیم دینا ۔

بیان سابق کی تفصیلات کو ذہن نشین کرنے کے بعد اگر نبوت و رسالت کے ان

مناصب اور بعثت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حکمتوں پر غور کیا جائے تو یقیناً عصمتِ نبوّت کا اقرار کرنا ہی پڑے گا۔

کم از کم اتنی بات تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جس کام کے کرنے کی صلاحیت کسی میں نہ ہو وہ کام اس کو سپرد نہیں کیا جاتا۔ ایک ظالم کو کرسئ عدالت پر بٹھانا۔ اَن پڑھ آدمی کو علم و حکمت کی موشگافیوں کا کام سونپنا، کسی بدکار فاسق و فاجر کو عفیفات کی عزت و ناموس کی حفاظت کے لیے متعین کرنا۔ بیمار و ناتوان کے سر پر بھاری بوجھ رکھ دینا۔ گم کردہ راہ سے ہدایت طلب کرنا کسی عاقل کا کام نہیں۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ان امور کی صلاحیتوں کے بغیر ہی اللہ تعالیٰ ان کی انجام دہی کا منصب انبیاء علیہم السلام کو سونپ دے؟ جب یہ ممکن نہیں تو ماننا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ نے منصب نبوّت کے ساتھ وہ تمام قوتیں اور صلاحیتیں بھی انبیاء علیہم السلام کو عطا فرمائی ہیں جن کا ہونا ان کے لیے ضروری تھا۔ اور یہی عصمت کا مفہوم ہے۔ جس کے بغیر نبوّت ایسی ہے جیسے بینائی کے بغیر آنکھ اور روشنی کے بغیر سورج!

مسئلۂ عصمت میں اقوالِ علماء

امور تبلیغیہ میں کذب عمد سے عصمت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر جمیع اہل ملل و شرائع کا اجماع ہے اور سب اس بات پر متفق ہیں کہ تبلیغ میں انبیاء علیہم السلام سے عمداً صدورِ کذب عقلاً محال ہے۔ شرح مواقف میں اس کی دلیل بیان کرتے ہوئے فرمایا: اذلو جاز علیھم التقول والافتراء فی ذالک عقلا لادی الی ابطال دلالۃ المعجزۃ وھو محال۔ (شرح مواقف جلد ۸ ص ۲۶۳ طبع مصر) (کیونکہ اگر یہ (کذب عمد فی التبلیغ) عقلاً جائز ہو تو دلالت معجزہ کے ابطال کی طرف مؤدی ہوگا اور وہ محال ہے)

البتہ علی سبیل السہو والنسیان میں قاضی ابوبکر نے اختلاف کیا ہے۔ مگر ائمہ اعلام اس میں بھی عقلاً عدم جواز ہی کے قائل ہیں۔ رہے باقی ذنوب یعنی کذب فی التبلیغ کے علاوہ تو وہ کفر ہوں گے یا غیر کفر۔ عصمت عن الکفر پر اجماع امت ہے عام اس سے کہ قبل النبوّت

ہو یا بعد النبوۃ۔ اس اجماع کے خلاف خوارج کے ایک خاص گروہ ازارقہ کا قول پایا جاتا ہے جو اہل حق کے نزدیک باطل و مردود ہے۔ قائلین تقیہ نے انبیاء علیہم السلام سے خوف کے وقت تقیۃً اظہار کفر کو جائز مانا ہے، مگر اہل حق کے نزدیک یہ قول بھی قطعاً باطل ہے کیونکہ یہ اخفائے دعوت اور ترک تبلیغ رسالت کی طرف مفضی ہے جو انبیاء علیہم السلام کے حق میں محال ہے۔

اب ان گناہوں کے متعلق سنیے جو کفر کے ماسوا ہیں، تو ان کی دو قسمیں ہیں کبائر و صغائر۔ ان میں سے ہر ایک کے دو حال ہیں یا ان کا صدور عمداً ہوگا یا سہواً۔ دو کو دو سے ملا کر چار قسمیں حاصل ہوئیں۔ کبیرہ عمداً، کبیرہ سہواً۔ صغیرہ عمداً، صغیرہ سہواً۔ ان اقسام اربعہ میں سے ہر ایک قبل البعثت ہوگا یا بعد البعثت۔ انبیاء علیہم السلام سے کبائر کا صدور خواہ عمداً ہو یا سہواً بعد النبوۃ شرعاً محال ہے، قول مختار یہی ہے۔ قبل النبوۃ اکثر مشائخ کے نزدیک محال نہیں۔ اسی طرح عمداً بعد البعثت صغائر کا صدور بھی محال ہے۔ سہواً میں اختلاف ہے۔ اکثر مشائخ جواز (یعنی امکان) کے قائل ہیں۔ لیکن جو صغائر رذالت و خست اور دناءۃ کا موجب ہوں بالاتفاق ان کا صدور انبیاء علیہم السلام سے ممکن نہیں۔ علیٰ ہذا القیاس محققین اہل السنت کے نزدیک انبیاء علیہم السلام ان امور سے بھی معصوم ہیں جو موجب نفرت ہوں جیسے امہات و زوجات کا فجور اور آباء کی دناءۃ و رذالت۔ مختصر یہ کہ باب ذنوب میں جمہور اہل السنت کا مذہب یہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی نبوت کے زمانہ میں کبائر سے مطلقاً اور صغائر عمداً سے معصوم ہیں اور انھوں نے اپنے اس دعویٰ پر حسب ذیل دلائل قائم کیے ہیں:

پہلی دلیل

از روئے قرآن و اجماع انبیاء علیہم السلام کی اتباع فرض ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔ اور گناہ حرام ہے۔ اگر کسی نبی سے گناہ صادر ہو تو اس کی اتباع حرام ہوگی۔ کیونکہ اس صورت میں وہ گناہ بھی کرنا پڑے گا جو نبی نے کیا۔ ورنہ اس کی اتباع نہ ہو سکے گی۔

اور گناہ حرام ہونے کی وجہ سے نبی کی اتباع بھی حرام ہو گی۔ اور نبی کی اتباع کا حرام ہونا قطعاً باطل ہے لہذا نبی سے گناہ کا صادر ہونا بھی باطل ہو گا۔

دوسری دلیل

اجماع اور قرآن کی رو سے گناہ گار کی شہادت مردود ہے۔ اگر انبیاء علیہم السلام سے گناہ صادر ہوں تو معاذ اللہ وہ مردود الشہادت قرار پائیں گے اور یہ قطعاً محال ہے۔ لہذا ان سے گناہ کا ہونا بھی محال ہے۔

تیسری دلیل

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر واجب ہے۔ اگر انبیاء علیہم السلام سے گناہ صادر ہوں تو انھیں گناہ سے باز رکھنے کے لیے زجر کرنا پڑے گا جو ایذار ہے اور انبیاء علیہم السلام کی ایذار قطعاً حرام ہے۔ لہذا ان سے گناہ کا صدور ممکن نہیں۔

چوتھی دلیل

"گناہ" ظلم و معصیت اور موجب ملامت و مذمت ہے اور ظالم و عاصی کے حق میں لعنت اور نار جہنم کی وعید قرآن کریم میں وارد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ومن یعص اللہ ورسولہ فان لہ نار جہنم (پارہ ۲۹ سورۃ جن)۔ نیز فرمایا: الا لعنۃ اللہ علی الظالمین (پارہ ۸ سورۃ الاعراف) اسی طرح ملامت و مذمت بھی وارد ہے۔ ارشاد فرمایا: لم تقولون مالا تفعلون (پارہ ۲۸ سورۃ الصف)۔ ایک اور جگہ ارشاد فرمایا ہے: اتأمرون الناس بالبر وتنسون انفسکم (پارہ ۱ سورۃ بقرہ)۔ اگر انبیاء علیہم السلام سے گناہ صادر ہو تو معاذ اللہ وہ نار جہنم کے مستحق، ملامت کے حقدار اور ملعون و مذموم ہوں گے۔ جو قطعاً باطل ہے۔ لہذا ان سے گناہ کا صادر ہونا بھی باطل و مردود ہے۔

پانچویں دلیل

اگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے گناہ صادر ہوں تو وہ اپنی امت کے گناہگاروں سے بھی زیادہ بدحال اور گئے گذرے ہوں گے کیونکہ بزرگی اور کرامت میں جس قدر زیادہ مرتبہ بلند ہو

گناہ کرنے پر اسی قدر عقلاً و نقلاً زیادہ عذاب کا استحقاق ہوتا ہے۔ نبوت سے زیادہ بلند کوئی مرتبہ نہیں اس لیے نبی کے گناہ کا عذاب تمام گناہگاروں کے عذاب سے زیادہ ہوگا۔ اور یہ ایسی زبوں حالی ہے جو نبی کے حق میں متصور نہیں۔ لہذا گناہ کا صدور بھی کسی نبی سے نہیں ہو سکتا۔

چھٹی دلیل

"گناہ" اپنے نفس پر ظلم ہے اور ظالم اللہ تعالیٰ کے عہد کو نہیں پا سکتا۔ قرآن مجید میں ہے: لاینال عھدی الظالمین (پارہ ۱ سورۃ بقرہ)۔ نبوت سب سے بڑا عہد ہے جو کسی ظالم کو نہیں مل سکتا۔ انبیاء علیہم السلام نے جب عہد نبوت کو پا لیا تو ثابت ہو گیا کہ وہ گناہوں سے معصوم ہیں۔

ساتویں دلیل

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے عباد مخلصین ہیں جیسا کہ یوسف علیہ السلام کے حق میں ارشاد الٰہی وارد ہے: انہ من عبادنا المخلصین (پارہ ۱۲ سورۃ یوسف)۔ اور موسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا: انہ کان مخلصاً وکان رسولاً نبیاً (پارہ ۱۶ سورۃ مریم)۔ اور حضرت ابراہیم، اسحٰق اور یعقوب علیہم السلام کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے: انا اخلصناھم بخالصۃ ذکری الدار و انھم عندنا لمن المصطفین الاخیار (پارہ ۲۳ سورۃ ص)۔ المخلصین ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جنھیں اللہ تعالیٰ اپنی اطاعت کے لیے خاص کر لیتا ہے اور انھیں ہر اس چیز سے معصوم کر دیتا ہے جو طاعت خداوندی کے خلاف ہے۔ اس لیے مخلصین سے گناہ کا صدور نہیں ہو سکتا۔ اور اسی بنا پر شیطان نے کہا تھا: لاغوینھم اجمعین الا عبادک منھم المخلصین (پارہ ۲۳ سورۃ ص) میں سب کو بہکاؤں گا سوا تیرے مخلص بندوں کے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بات میں اس کی تکذیب نہیں فرمائی بلکہ: ان عبادی لیس لک علیھم سلطان (پارہ ۱۴ سورۃ ابراہیم) کہہ کر تصدیق فرمائی۔ ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں اور گناہوں کا ارتکاب ان سے نہیں ہو سکتا۔ پھر یہ کہ ان کا مصطفےٰ اور اخیار (یعنی برگزیدہ اور پسندیدہ) ہونا ان کی عصمت عن المعصیت کو اور بھی زیادہ واضح کر رہا ہے۔

اگر اس مقام پر یہ شبہ وارد کیا جائے کہ بعض انبیاء غیر مخلص ہیں اور بعض مخلص غیر انبیاء ہیں۔ اگر مخلص

ہونا عصمت کی دلیل ہے تو غیر مخلص نبی کی عصمت ثابت نہ ہوگی اور مخلص غیر نبی کا معصوم ہونا بھی لازم آجائے گا حالانکہ یہ دونوں امر مستدل کے نزدیک باطل ہیں۔ تو میں عرض کروں گا کہ یہ شبہ اس وقت درست ہو سکتا تھا جب کہ انبیاء علیہم السلام کو عام لغوی معنی کے اعتبار سے مخلص کہا جائے۔ لیکن قرآن مجید میں ایسے خاص معنی کے لحاظ سے انبیاء کرام کو مخلص فرمایا گیا ہے جو نبوت کی خصوصیات اور اس کے لوازمات سے ہیں۔ جن کی رو سے ہر نبی کا مخلص ہونا ضروری ہے اور کسی غیر نبی کا مخلص ہونا ممکن نہیں۔ جیسا کہ سورۃ ص کی آیت منقولہ بالا: انا اخلصناھم بخالصۃ ذکری الدار سے واضح ہے کہ یہاں اللہ تعالٰے نے انا اخلصناھم فرما کر "اخلص" فعل کی اسناد اپنی ذات مقدسہ کی طرف فرمائی۔ یعنی ہم نے انھیں مخلص بنایا۔ پھر آیت مبارکہ میں ان کے مخلص ہونے کا سبب "خالصۃ" کو قرار دیا گیا ہے اور ذکری الدار اس کا بیان ہے۔ خالصۃٍ کی تنوین تنکیر برائے تعظیم ہے۔ یعنی اللہ تعالٰے نے انھیں خصلت خالصہ عظیمہ وجلیلہ کے سبب مخلص کیا ہے جو آخرت کی یاد ہے اور یاد آخرت سے مراد ان کا انذار و تبشیر ہے، جس کا ذکر آیۂ کریمہ وما نرسل المرسلین الا مبشرین ومنذرین (پارہ۔ سورۃ انعام) میں وارد ہے۔ یوں تو ہر ایک یاد آخرت کر لیتا ہے لیکن اللہ تعالٰی سے بصیرت و یقین پا کر نعمائے جنّت کی خوش خبری سنانے اور عذاب نار سے ڈرانے پر مامور ہو کر یاد آخرت کرنا ایسی خصلت خالصہ عظیمہ وجلیلہ ہے جو نبوّت کا خاصّہ اور لازمہ ہے۔ نیز اس نوعیت سے بشیر و نذیر ہونا اور آخرت کی دائمی یاد کرنا ہر نبی کے لیے لازم اور نبوّت کا خاصہ ہے۔ اس بیان سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ ہر نبی مخلص ہونے کی وجہ سے معصوم ہے اور کوئی غیر نبی ان معنی میں مخلص نہیں جو انبیاء مخلصین میں پائے جاتے ہیں۔ لہذا کسی غیر نبی کا معصوم ہونا لازم نہیں آتا۔

آٹھویں دلیل

اللہ تعالٰے نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا: ولقد صدق علیھم ابلیس ظنہ فاتبعوہ الا فریقاً من المومنین (پارہ ۲۲ سورۃ سبا)۔ وجہِ استدلال یہ ہے کہ الا فریقاً من المؤمنین

سے انبیاء علیہم السلام مراد ہیں یا ان کی امت کے مومنین؟ بر تقدیر اول ہمارا مدعا ثابت ہے کیونکہ اتباع شیطان ہی گناہ ہے۔ جب وہ اتباع شیطان سے محفوظ رہے تو یہی محفوظیت ان کے حق میں عصمت ہے۔ بر تقدیر ثانی انبیاء علیہم السلام کا اتباع شیطان سے محفوظ رہنا بطریق اولیٰ ثابت ہو گا کیونکہ جس کی امت کے مومنین شیطان کے متبع نہیں وہ نبی کیونکر اس لعین کا متبع ہو سکتا ہے، بالفاظ دیگر یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ شیطان کی اتباع سے بچنا تقویٰ ہے اور بدلالت نص قطعی ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم (پارہ ۲۶ سورۃ الحجرات) تقویٰ معیار فضیلت ہے۔ اگر الا فریقا من المومنین سے مومنین مراد لے کر انبیاء علیہم السلام سے صدور گناہ کا قول کیا جائے تو غیر نبی کا نبی سے افضل ہونا لازم آئے گا جو بالاتفاق باطل ہے ثابت ہوا کہ بہر تقدیر انبیاء علیہم السلام کا معصوم ہونا اس آیت کا مفاد ہے۔

نویں دلیل

اللہ تعالیٰ نے مکلفین کو دو گروہ میں تقسیم فرمایا 'حزب اللہ' اور 'حزب الشیطان'۔ اگر انبیاء علیہم السلام سے گناہ کا صدور مانا جائے تو کم از کم صدور معصیت کے وقت تو معاذ اللہ وہ ضرور ہی حزب الشیطان قرار پائیں گے کیونکہ مطیع حزب اللہ ہیں، اور عاصی حزب الشیطان۔ اور حزب الشیطان خاسرین ہیں لقولہ تعالیٰ: الا ان حزب الشیطان ھم الخاسرون (پارہ ۲۸ سورۃ المجادلۃ)۔ ایسی صورت میں العیاذ باللہ انبیاء کرام کو خواہ ایک آن ہی کے لیے ہو خاسرین کہنا پڑے گا جو بداہتہً باطل ہے۔ ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم السلام سے گناہ کا صدور قطعاً ممکن نہیں۔

علاوہ ازیں بکثرت افراد امت زہاد و عباد زمرۂ مفلحین میں داخل ہیں۔ پھر یہ عجیب بات ہو گی کہ افراد امت مفلحون ہوں اور انبیاء خاسرون۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ ساء ما یحکمون۔

دسویں دلیل

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسحٰق علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے متعلق فرمایا: انھم کانوا یسارعون فی

الخیرات (پارہ ۱۷، سورۃ الانبیاء) بے شک وہ نیکیوں میں جلدی کرتے تھے۔ "الخیرات" جمع معرف باللام ہے اور ایسی جمع عموم کے لیے ہوتی ہے لہذا وہ فعل اور ترک دونوں سے متعلق سب نیکیوں کو شامل ہوگی۔ فعل سے مراد وہ نیکیاں ہیں جو عمل اور قول سے حاصل ہوتی ہیں جیسے نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ، اور ترک سے وہ نیکیاں مراد ہیں جو کسی کام کو نہ کرنے سے حاصل ہوتی ہیں جیسے جھوٹ، چوری، غیبت، زنا نہ کرنا۔ خلاصہ یہ کہ جس طرح عبادات فعلیہ کا عمل میں لانا نیکی ہے اسی طرح گناہ کے کاموں کا نہ کرنا بھی نیکی ہے۔ اور "الخیرات" کا لفظ سب کو شامل ہے۔ معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام گناہ نہ کرنے میں بھی مسارعت کی صفت سے متصف ہیں۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے قول؛ انھم عندنا لمن المصطفین الاخیار (پارہ ۲۳ سورۃ ص) میں لفظ "مصطفین" اور "اخیار" دونوں ہر اس فعل اور ہر اس ترک کو شامل ہیں جس میں نیکی، پسندیدگی اور برگزیدگی کے معنی پائے جائیں۔ اس عموم کی دلیل صحت استثناء ہے کیونکہ یہ کہنا جائز ہے کہ فلاں من المصطفین الا فی کذا او من الاخیار الا فی کذا۔ مستثنیٰ منہ کا عموم صحت استثناء کی شرط ہے۔ جب یہاں استثناء صحیح ہے تو عموم ثابت ہوگیا اور عموم اس امر کی دلیل ہے کہ انبیاء علیہم السلام کل امور میں برگزیدہ اور پسندیدہ ہیں لہذا ان سے گناہ کا صدور جائز نہ ہوا۔

استدراک

یہاں بعض لوگوں نے یہ شبہ وارد کیا ہے کہ اصطفاء صدور معصیت کے منافی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا: ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا فمنھم ظالم لنفسہ (پارہ ۲۲ سورۃ فاطر) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مصطفین کو تین قسموں میں منقسم کر دیا ظالم، مقتصد اور سابق۔ ان اقسام میں ظالم کا ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ اصطفاء کے باوجود بھی گناہ ہوسکتا ہے۔ اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ انبیاء علیہم السلام آیت کریمہ میں مذکور نہیں نہ وہ الذین میں شامل ہیں۔ یہاں غیر انبیاء کا اصطفاء مذکور ہے

اور غیر انبیاء کے اصطفاء پر انبیاء علیہم السلام کے اصطفاء کا قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ کیونکہ اصطفاء کے مراتب مختلف ہیں ہر شخص کا اصطفاء اس کے سب حال ہوتا ہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا حال باقی تمام کائنات سے افضل و اکمل ہوتا ہے اس لیے ان کا اصطفاء بھی کل مخلوقات سے اکمل و اعلیٰ ہونا ضروری ہے۔ لہذا غیر انبیاء کے (لغوی) اصطفاء کا صدور ذنب کے منافی نہ ہونا ہرگز اس بات کو مستلزم نہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کا اکمل و اعلیٰ اصطفاء بھی صدور ذنب کے منافی نہ ہو۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ فمنھم ظالم میں ضمیر مجرور "مصطفین" کی طرف نہیں بلکہ "عباد" کی طرف راجع ہے کیونکہ اقرب مذکورین کی طرف ضمیر کا لوٹنا اولیٰ ہے۔ لہذا اقسام ثلاثہ (جن میں ظالم بھی شامل ہے) مصطفین کے نہیں بلکہ عباد کے ہیں۔ اس تقدیر پر شبہ مذکورہ اصل سے ساقط ہو گیا۔ وللہ الحمد۔

زیر نظر مضمون کے اکثر مطالب اور عصمت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر یہ دس دلیلیں ہم نے شرح مواقف کو سامنے رکھ کر مرتب کی ہیں اور حسب ضرورت دلائل کی قوت کو واضح کرنے کے لیے بعض مقامات پر بسط کے ساتھ کلام کر دیا ہے۔ اہل علم حضرات سے امید ہے کہ وہ ہماری اس جرأت کو ضرورت پر محمول فرمائیں گے۔

اب ان مخالفین کی طرف آیئے جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد البعثت عمداً صدور کبائر و صغائر کو جائز مانتے ہیں۔

ان لوگوں کا استدلال قصص انبیاء علیہم السلام سے ہے جن میں سے بعض قصے قرآن وحدیث اور آثار صحابہ میں منقول ہیں جن سے بظاہر وہم پیدا ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے ان کے زمانۂ نبوت میں گناہوں کا صدور ہوا۔ سب کا اجمالی جواب یہ ہے کہ وہ واقعات اخبار آحاد میں منقول ہیں یا بطریق تواتر۔ پہلی صورت میں واجب الرد ہیں اس لیے کہ کسی راوی کی طرف خطا کا منسوب کر دینا انبیاء علیہم السلام کی طرف گناہ منسوب کرنے سے زیادہ آسان ہے۔

برتقدیر ثانی چونکہ وہ دلائل عصمت سے متعارض ہیں۔ اس لیے مؤول ہوں گے! وجوہ تاویل

موقع محل اور اقتضاء کلام کے اختلاف کے لحاظ سے مختلف ہوں گی۔ مثلاً بعض واقعات کو بشرط اقتضاء مقام قبل البعثت پر حمل کیا جائے گا۔ بعض میں اقتضاء مقام کے لحاظ سے انبیاء علیہم السلام کے ان افعال کو جنھیں منکرین عصمت معصیت قرار دیتے ہیں " ترک اولیٰ " کہا جائے گا۔ بعض مواقع ایسے بھی ہوں گے جہاں موقع محل کی مناسبت سے ان افعال کو صدور صغیرہ سہواً قرار دیا جائے گا۔ کسی جگہ موہم کلام کو دلیل کی روشنی میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تواضع اور کسر نفسی پر حمل کیا جائے گا۔ رہا یہ شبہ کہ ان افعال میں بعض ایسے ہیں جن کے لیے لفظ ذنب وارد ہوا جیسے لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک۔ بعض وہ ہیں جن کے ارتکاب کے بعد حضرات انبیاء علیہم السلام نے استغفار فرمایا۔ نیز ان میں بعض ایسے افعال بھی ہیں جنھیں کرنے کے بعد انبیاء علیہم السلام نے اپنے نفسوں پر ظلم کرنے کا اعتراف کیا۔ پھر انھیں کیونکر ترکِ اولیٰ یا صغائر صادرہ عن السہو پر حمل کیا جا سکتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ترکِ اولیٰ جیسے ہلکے امور کو ذنب سے تعبیر کرنے کی وجہ منصب نبوت کی عظمت اور انبیاء علیہم السلام کے درجات کی رفعت و بلندی ہے۔ اور اسی عظمت و رفعت کے پیش نظر حضرات انبیائے کرام علیہم السلام نے صغیرہ صادرہ عن السہو اور خلاف اولیٰ کاموں پر اعترافِ ظلم کر کے استغفار کیا۔

تعلیماتِ قرآنیہ کی روشنی میں یہ حقیقت آفتاب سے زیادہ روشن ہے کہ حسنات الابرار سیئات المقربین جن کے رتبے ہیں سوا ان کی سوا مشکل ہے۔ یہ بھی حق ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے عاجزی تواضع، کسر نفسی کے لیے اعترافِ ظلم اور استغفار فرمایا۔ ان مقدسین کا ایسا کرنا دراصل اپنے رب کی بارگاہ میں تضرع و زاری ہے اور یہ اعتراف و استغفار ان کے انتہائی فضل و کمال پر دال ہے چہ جائیکہ اسے ان کے ظالم و عاصی ہونے کی دلیل بنا لیا جائے۔

مخالفین کے دلائل کا اجمالی جواب تو ہم دے چکے۔ البتہ اہل علم کی دلچسپی کے لیے تفصیلی گفتگو باقی ہے جسے ہم کسی دوسری فرصت پر ملتوی کرتے ہیں۔